محمد جعفر پھلواروی

کم سنی کی شادی اور فسخ نکاح

اس میں بتایا گیا ہے کہ کم سنی کی شادی معاشرتی مصالح کے خلاف ہے۔ اور اگر کسی مجبوری سے کم سنی کی شادی کی جائے تو اسے فسخ نکاح کا حق مناسب عمر تک ہے۔ اس مسئلے پر اظہار خیال کی اصحاب علم کو دعوت دی جاتی ہے۔

نابالغہ اور اختیار فسخ : مسلک حنفی

دو قسم کے ولی مجبر

احناف کے نزدیک باپ اور اس کی غیر موجودگی میں دادا ولی مجبر ہوتا ہے۔ ولی مجبر کا مطلب یہ ہے کہ بچی کا نکاح اس سے پوچھے یا اس کو بتائے بغیر کرا دے، خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ[1]، تو وہ اپنے نکاح کو فسخ کرنے کا کوئی اختیار نہیں رکھتی۔ نہ بلوغ سے پہلے نہ بلوغ کے بعد۔ ہاں اگر باپ دادا کے علاوہ کوئی دوسرا ولی مجبر اس کا نکاح کرا دے تو وہ اپنا نکاح فسخ کر سکتی ہے، بشرطیکہ پہلا قطرۂ خون دیکھتے ہی اسی آن دو گواہوں کے سامنے اعلان کر دے کہ "میں نے اپنا نکاح فسخ کر دیا" اور اگر اسے بلوغ کے بعد تک اپنے نکاح کا کوئی علم نہ ہو تو نکاح کا علم ہوتے ہی اسی آن گواہوں کے سامنے

---

[1] ثیب یا ثیبہ وہ عورت ہے جس کے شوہر نے قبل از بلوغ یا بعد از بلوغ اس کی بکارت زائل کی ہو۔ پھر وہ مطلقہ یا بیوہ ہو گئی ہو۔

اعلان فسخ کر دے۔ اگر علامت بلوغ دیکھتے یا علم نکاح ہونے کے بعد دو سیکنڈ بھی خاموش رہی تو اس کی رضامندی سمجھی جائے گی اور تمام عمر وہ اپنا نکاح فسخ نہیں کر سکتی۔ اگر اسے یہ مسئلہ نہ بھی معلوم ہو کہ بالغ ہوتے ہی یا علم نکاح ہوتے ہی اسی آن اعلان فسخ کرنے سے نکاح فسخ ہو سکتا ہے، تو ناواقفیت کا یہ عذر نہیں سنا جائے گا۔ شرح وقایہ کی عبارت ملاحظہ ہو:

"وللولی انکاح الصغیر والصغیرۃ ولو ثیبا۔ ثم ان زوجهما الاب او الجد لزم و فی غیرهما فسخ الصغیران حین بلغا او علما بالنکاح بعد،۔ و سکوت البکر رضا وهنا ولا یمتد خیارها الی آخر المجلس وان جهلت به ولا تعذر بجهلها و الجهل لیس بعذر فی حقها" (شرح وقایہ مع عمدۃ الرعایہ ص ۲۳- ۲۴- مطبع مجتبائی ۱۹۱۹ء)

ولی کو نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح کرا دینے کا حق ہے۔ خواہ لڑکی ثیب ہی کیوں نہ ہو۔ پھر اگر باپ یا دادا نے انہیں بیاہا ہو تو لازمی طور پر نافذ ہو گا (کبھی اختیار فسخ نہ ہو گا) اور باپ دادا کے علاوہ دوسرے ولی کے کرائے ہوئے نکاح میں کم سن لڑکے اور لڑکی بالغ ہوتے ہی یا بعد بلوغ علم نکاح ہوتے ہی فسخ نکاح کر سکتے ہیں[1]۔ اور اس معاملے میں باکرہ کا سکوت رضامندی ہو گی۔ یہ خیار فسخ مجلس بدلنے تک قائم

---

[1] قاضی ابو یوسف تو باپ دادا کے علاوہ دوسرے اولیا کے کرائے نکاح صغائر کو بھی دائم و قائم اور ناقابل فسخ مانتے ہیں۔ ملاحظہ ہو بین السطور ایضاً ص ۲۳ کی عبارت: وفیہ خلاف ابن یوسف ایضاً حیث یقول بلزوم نکاح غیر الاب والجد ایضاً وعدم خیار البلوغ

نہ رہے گا۔ اگرچہ وہ اس مسئلے سے ناواقف ہو۔

احناف میں صرف خصاف نے اتنی عنایت کی ہے کہ آخر مجلس تک اس خیار کو ممتد کر دیا ہے۔ وجعل الخصاف خیار البلوغ ممتدا الی آخر المجلس وھو خلاف روایۃ المبسوط (ایضاً ص ۲۴، حاشیہ ۲)۔ یہی مضمون ہدایہ مطبوعہ مجتبائی ۱۳۷۵ھ جلد ۲، ص ۲۹۶-۲۹۷ میں بھی ہے۔ اور قدوری مطبوعہ کراچی ص ۱۴۹ اور کنز الدقائق مطبوعہ کراچی ص ۱۱۰ میں بھی ہے۔ گویا حنفیہ کی چاروں بنیادی کتابیں اس مسئلے میں ہم آہنگ ہیں۔ ہم نے صرف بنیادی کتابوں کے حوالے دیے ہیں۔ ورنہ ہر حنفی کتاب فقہ میں یہ مسئلہ موجود ہے۔

باپ دادا کی وسعتِ اختیار

بات صرف اسی قدر نہیں کہ باپ دادا کا کرایا ہوا نکاح لڑکی فسخ نہیں کر سکتی بلکہ:

> . . . . . یلزم ذلک النکاح مطلقا ولو کان ذلک من غیر کفو او کان بغبن فاحش بزیادۃ مھرھا او قلۃ مھرھا لان شفقتھما علی الصغار فوق شفقۃ الاجانب والاقارب . . . . . (ایضاً ۲۳۔ حاشیہ ۷)۔

باپ دادا کا کرایا ہوا نکاح بلا کسی شرط کے (دائمی طور پر) لازماً باقی رہے گا اگرچہ غیر کفو سے ہوا ہو اور اگرچہ لڑکے کا مہر زیادہ اور لڑکی کا کم رکھ کر غبن فاحش سے کام لیا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چھوٹے بچوں پر باپ دادا کی شفقت دوسرے تمام بے گانوں اور یگانوں کی شفقت پر فائق ہوتی ہے۔

سوئے اختیار

احناف کے نزدیک نابالغہ کو باپ دادا کے کرائے ہوئے نکاح میں بھی خیار فسخ

دیا گیا ہے جو بالغ ہوتے ہی اسی آن ہو سکتا ہے۔ مگر وہ بھی کوئی کھلا ہوا حق نہیں بلکہ اس کے لیے ایک شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ اس ولی مجبر نے "سوئے اختیار" سے کام لیا ہو اور سوئے اختیار یہ ہے کہ اس سے پہلے اس نے اپنی کسی نابالغہ لڑکی کا نکاح

۱۔ غیر کفو میں کیا ہو۔ یا

۲۔ مہر مثل سے کم تر مہر پر کیا ہو۔ یا[۵]

۳۔ کسی فاسق سے کر دیا ہو۔

(ایضاً ۳۱) (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۴ ص ۳۱)

دلچسپ رعایت

احناف نے جو نابالغہ کو بالغ ہوتے ہی اسی آن فسخ نکاح کا حق دیا ہے اس میں ایک "بہت بڑی رعایت" یہ بھی رکھی ہے کہ اگر وہ علامت بلوغ ایسے موقع پر دیکھے جہاں اشہاد شاہدین ممکن نہ ہو۔ مثلاً آدھی رات کو دیکھے (یا غسل خانے یا خانے وغیرہ میں دیکھے) تو وہ اپنی زبان سے اسی وقت کہہ دے کہ میں نے اپنا نکاح فسخ کیا۔ اور صبح ہوتے ہی گواہوں کے سامنے یوں بیان دے کہ میں نے تو ابھی ابھی علامت بلوغ دیکھی ہے اور میں نے اپنا نکاح فسخ کیا۔ یہ بیان جھوٹ تو ہوگا لیکن یہ جھوٹ اس کے لیے جائز ہوگا تاکہ اس کا حق فسخ باقی رہے۔ اور یہ ایک شرعی ضرورت ہے۔ ولا یخفی ان ھذہ حالۃ ضرورۃ (الفقہ علی المذاھب الاربعہ ج ۴ ص ۳۱-۳۲) اور عمدۃ الرعایۃ کی عبارت یوں ہے:

"فان رأته لیلاً تطلب بلسانها فتقول فسخت نکاحی وتشھد

---

[۵] امام شافعی کے نزدیک مہر مثل سے کم رکھنا خلاف سنت ہے جس کا تارک گناہگار تو ہوگا مگر نکاح درست ہوگا۔ (ایضاً ص ۳۵)

اذا اصبحت وتقول رأیت الدھم الآن. قیل لمحمد کیف یصح ھذا وھو کذب فقال لا تصدق فی الاشھاد فجاز لھا ان تکذب کیلا یبطل حقھا (شرح وقایہ ص ۲۴۴ حاشیہ ۲)۔

تصدیق قاضی

اور پھر یہ بھی واضح رہے کہ فسخ اتنی آسانی سے نہیں ہو جائے گا۔ بلکہ اس بالغہ کے فسخ کرنے کے بعد وہ تفریق بین الزوجین کے لیے تصدیق قاضی کی محتاج رہے گی [1] (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۴ ص ۳۱)۔

ثیبہ کا سکوت

احناف نے ایک بڑا حق اور یہ دیا ہے کہ نابالغہ اگر ثیبہ ہو (خواہ پہلے سے ہو یا اس کے سابق شوہر نے کر دیا ہو) تو بالغ ہونے کے بعد اس کا محض سکوت کافی نہیں اپنے قول یا عمل سے اگر رضامندی نہ ظاہر کی ہو تو اسے حق فسخ ساری عمر رہے گا (ایضاً ص ۳۱)۔

بے بسی کی انتہا

مندرجہ بالا اقتباسات پڑھنے سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ احناف نے نابالغہ کو اتنا زیادہ بے بس کر دیا ہے کہ جس سے زیادہ بے بسی کا تصور بھی مشکل ہے۔ باپ دادا تو وہ ولی مجبر ہیں کہ وہ غیر کفو میں بیاہ دیں یا مہر میں غبن فاحش سے کام لیں یا فاسق کے حوالے کر دیں کچھ بھی کریں اس بے چاری کو زندگی کی آخری سانس تک بھی حق فسخ نہیں۔ اس طرح بیاہ دینا حنفیہ کی اصطلاح میں "سوئے اختیار" ہے مگر نکاح میں کوئی فرق نہ آئے گا

---

[1] ازدواجی معاملات سب کے سب قضاء ہی کے واسطے سے ہونے چاہئیں۔ یہ صرف خلع ہی کے لیے نہیں۔ مرد اگر طلاق دے تو اسے بھی قضاء ہی کے راستے سے آنا چاہیے۔ موجودہ عائلی قوانین میں اس کی رعایت رکھی گئی ہے۔

اور لڑکی فسخ کے معاملے میں بے بس رہے گی۔ ہاں اگر دوسری بچی کے ساتھ بھی "سوئے اختیار" سے کام لیا ہو تو اس دوسری کو فسخ کا وہ اختیار مل جائے گا جو باپ دادا کے علاوہ دوسرے ولی مجبر کے کرائے ہوئے نکاح میں ملتا ہے (اس کا ذکر آگے آئے گا) گویا دو بچیوں کے ساتھ ایک جیسا برتاؤ ہے لیکن دونوں کے احکام میں فرق ہو جاتا ہے۔ پہلی بے اختیار ہے اور دوسری کو تھوڑا سا اختیار مل جاتا ہے۔

دوسری کو جو اختیار مل جاتا ہے وہ وہ اختیار ہے جو (باپ دادا کے علاوہ) دوسرے ولی مجبر کے کرائے ہوئے نکاح میں ملتا ہے اور وہ ایک ایسا اختیار ہے جو سلب اختیار سے بھی بدتر ہے۔ یعنی وہ علامتِ بلوغ دیکھتے ہی یا بصورت لاعلمی علم نکاح ہوتے ہی دو سیکنڈ گزرنے سے پہلے گواہوں کے سامنے فسخ نکاح کا اعلان کرے۔ اس کے بعد قاضی کی تصدیق سے تفریق ہو گی۔ یعنی یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ دیہات کی ہر بچی بلوغ سے پہلے شرح وقایہ جلد ثانی تک فقہ ضرور جانتی ہے۔ لہٰذا ہر وقت اپنے ساتھ دو گواہوں کو بھی ضرور رکھتی ہو گی اور اتنی جرأت مندانہ حیا بھی رکھتی ہو گی کہ اگر دونوں گواہ کسی شب اس کے قریب نہ سوئے ہوں کہ وہ جگا سکے یا غسل خانے یا بیت الخلا کے دروازے پر کسی وقت موجود نہ ہوں تو ایسی صورتوں میں وہ "مقدس جھوٹ" بول سکتی ہے کہ اسی وقت میں نے اپنی علامتِ بلوغ دیکھ کر اپنا نکاح فسخ کر دیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ علامتِ بلوغ دیکھنے سے دو سیکنڈ پہلے تک وہ قوتِ فیصلہ سے عاری، بے عقل اور بے اختیار تھی لیکن پہلا قطرۂ سخون دیکھتے ہی اتنی بڑی قوتِ فیصلہ کی مالک اور اس درجے ذہین و عاقل ہو جاتی ہے کہ ایک سیکنڈ کے اندر اندر اپنی زندگی کے مستقبل کے تمام نشیب و فراز کی تہ تک پہنچ جاتی ہے اور فوراً شوہر کے بارے میں کوئی تحقیق کیے بغیر فیصلہ کر لیتی ہے کہ میرا اس سے نباہ ہو سکتا ہے یا نہیں۔ پہلے قطرۂ سخون کے اس اعجاز سے انکار کی کون جرأت کر سکتا ہے؟

شفقت اور سوئے اختیار کا اجتماع

پھر ایک اور نکتہ بھی ملاحظہ ہو۔ ولی مجبر (باپ دادا) کو جو یہ لامتناہی اختیارات دیے گئے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ چھوٹی اولاد پر وہ زیادہ شفیق ہوتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا لڑکی کے بالغ ہونے کے بعد باپ دادا کی شفقت عداوت میں تبدیل ہو جاتی ہے؟ پھر بالغہ کے بارے میں باپ دادا شرعاً بے اختیار کیوں ہو جاتے ہیں۔ یہ شفقت کی کونسی قسم ہے کہ نابالغہ اتنی بے اختیار ہو کہ بالغ ہونے کے بعد بھی وہ بے بس ہی رہے؟ صرف ایک سیکنڈ کے لیے اسے اختیار فسخ حاصل ہو وہ بھی اس وقت جب کہ ولی مجبر پہلے سوئے اختیار کا مرتکب ہو چکا ہو۔

ایک سوال اور بھی ہے کہ جب بالغ ہو کر اس کے لیے جھوٹ جائز ہے اس لیے کہ یہ ایک شرعی ضرورت ہے تو شرعی ہی ضرورت سے ولی مجبر کے اختیارات میں کمی اور لڑکی کے اختیارات میں توسیع کیوں نہیں ہو سکتی؟ اور سوئے اختیار میں بہت سی دوسری بدعنوانیوں کو کیوں داخل نہیں کیا جا سکتا؟ جھوٹ تو بہر حال ایک لعنت ہے کتاب و سنت میں ہر جگہ اس کی ممانعت ہے لیکن کتاب و سنت میں نہ کہیں ولی مجبر کو اتنے اختیارات دیے گئے ہیں اور نہ لڑکی کے اختیارات اس قدر سلب کیے گئے ہیں۔

باپ دادا کی شفقت سے کون انکار کر سکتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ باپ دادا کو "اتنا شفیق" ماننے کے باوجود ان سے "سوئے اختیار" کا یہ خطرہ کیوں ہے کہ کہیں وہ غیر کفو سے نہ بیاہ دیں یا مہر میں غبن فاحش نہ کر بیٹھیں یا کسی فاسق سے پیوند نہ جوڑ دیں؟ اور اگر یہ خطرہ ہے اور بالکل صحیح خطرہ ہے تو شفیق ماننے کے بعد ولی کو جتنے بے پناہ اختیارات دیے گئے ہیں کیا "سوئے اختیار" کے بعد اتنا ہی سلب اختیارات کیا گیا ہے یا لڑکی کے اختیارات میں اتنا ہی اضافہ کیا گیا ہے؟ نہیں۔ بلکہ پہلی لڑکی کے ساتھ سوئے اختیار سے ولی کے اختیارات پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور ادھر لڑکی ویسی ہی بے اختیار رہتی ہے۔

ہاں دوسری لڑکی کے حق میں سوئے اختیار کو کام میں لانے سے صرف اتنا اثر پڑتا ہے کہ لڑکی کو علامتِ بلوغ دیکھتے ہی اسی آن دو گواہوں کے سامنے اعلان فسخ کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ اور جیسا کہ آپ نے ابھی سن لیا کہ یہ حق سلبِ حق سے بھی بدتر ہے۔

سوئے اختیار صرف تین نہیں

ہم یہ گزارش کریں گے کہ سوئے اختیار میں صرف وہی تین باتیں شامل نہیں۔ اسی وزن کی دوسری باتوں کو بھی سوئے اختیار میں داخل کر لینا چاہیے۔ نیز اولیا کے اختیارات گھٹا کر کچھ مزید اختیارات لڑکی کو بھی دینے چاہئیں۔ پھر اول و آخر کا فرق بھی نہیں ہونا چاہیے۔ سوئے اختیار وہ تجارتی کاروبار بھی ہے جو یہاں عام طور پر نکاح یا شادی کے نام سے کیا جاتا ہے اور زرِ مہر پر اولیا قبضہ کر لیتے ہیں۔ شوہروں کا بیویوں کو معلق رکھ طلاق کی قیمت وصول کرنا بھی سوئے اختیار ہے۔ بھاری جہیز اور "تلک" کا مطالبہ، لڑکیوں کو جاہل رکھنا بھی سوئے اختیار میں داخل ہے۔ یہ کیا تماشا ہے کہ جاہل تو باپ رکھے اور مزا بھگتے لڑکی۔ یعنی اسے کیوں یہ مسئلہ معلوم نہیں تھا کہ بالغ ہوتے ہی اسی آن اعلان فسخ نہ کرے تو اس کا نکاح ناقابلِ فسخ ہو جاتا ہے۔ سوئے اختیار صرف وہی نہیں جو اپنی لڑکی کے خلاف استعمال ہو۔ اپنے دوسرے اقربا، بیوی، بہن بھائی اور والدین وغیرہ کی حق تلفی کرنے والے کے متعلق یہ کیوں فرض کر لیا جائے کہ وہ اپنی لڑکیوں کے حق میں ضرور حسنِ اختیار ہی سے کام لے گا۔ کیا اپنی بیٹیوں کو ترکہ نہ دینے والے باپ سوئے اختیار کے مرتکب نہیں؟ یہ حق تلفیاں مہر مثل میں کمی زیادتی کرنے یا غیر کفو میں بیاہ دینے یا فاسق سے نکاح کرانے سے کہیں بدتر سوئے اختیار ہیں۔ پہلا فاسق تو وہ خود ہے جو ان صریح حق تلفیوں کا علی الاعلان ارتکاب کر رہا ہے۔ وہ تو ہرگز اتنے لامحدود اختیارات کا مستحق نہیں ہو سکتا کہ لڑکی کلیتہً بے اختیار ہو کر رہ جائے۔

اختیارات نبوی کی ہمسری

اس قسم کے انتہاء اختیارات صرف پیغمبر کے لیے مخصوص ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

۱۔ النبی اولی بالمومنین من انفسھم۔

نبی اہل ایمان پر خود ان کی ذات سے بھی زیادہ اختیار رکھتا ہے۔

۲۔ ماکان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ و رسولہ ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم۔

کسی مومن مرد و زن کو جب کہ اللہ اور اس کا رسول فیصلہ کر دے کوئی اختیار ان کے اپنے معاملے میں بھی باقی نہیں رہتا۔

پس جو اختیارات اللہ اور اس کے رسولؐ نے باپ دادا کو نہیں دیے وہ کوئی اور نہیں دے سکتا۔ ہم صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ "ولی مجبر" کے ان لامحدود اختیارات اور لڑکی کی ان بے اختیاریوں کے لیے کون سی نص ہے جس کی بنیاد پر یہ فقہی عمارت کھڑی کی گئی ہے۔

ولی مجبر کی فقہی اصطلاح

ولی مجبر کی کوئی اصطلاح کتاب و سنت میں موجود نہیں۔ یہ صرف فقہاء کی اصطلاح ہے۔ فقہا کی ہر اصطلاح قابلِ اعتراض یا قابلِ ترک نہیں۔ لیکن اگر کتاب و سنت میں ان کی کوئی حکم بنیاد نہ ملتی ہو بلکہ وہ فقہا کی محض ایک رائے ہو اور وہ حرج عظیم ——— سلبِ حریت و اختیار ——— کا سبب ہو تو وہ اصطلاح نہ واجب العمل شے ہے نہ کوئی ناقابلِ ترمیم شرعی قانون۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ صغر سنی کی شادی کے جواز کے لیے یہ اصطلاح وضع ہوئی ہے یہ ہم اس لیے عرض کر رہے ہیں کہ شریعت کے اصل ماخذ کتاب و سنت میں کم سنی کی شادی کا ہمیں کوئی مستند سراغ نہیں ملتا۔

ولی مجبر کے لیے غلط استدلال

جن آیات یا احادیث سے اس کا جواز نکالا جاتا ہے ان سے استدلال ہی صحیح نہیں۔ مثلاً:

۱۔ ایک آیت یہ پیش کی جاتی ہے کہ

واللائی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلثۃ اشھر واللائی لم یحضن۔

تمھاری عورتوں میں جو آئسہ ہو چکی ہوں اگر تمھیں شبہ ہو تو ان کی عدت (بعد از طلاق) تین ماہ ہے اور ان کی بھی جنھیں ماہواری نہ آئی ہو۔

واللائی لم یحضن (جنھیں ماہواری نہ آئی ہو) سے نابالغہ مراد لی جاتی ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ "من نسائکم" کا لفظ اس کی تائید نہیں کرتا۔ نساء بالغ عورتوں کو کہتے ہیں نہ کہ کم سن بچیوں کو۔ کمسن بچی کے لیے صغیرہ یا صبیہ وغیرہ کے الفاظ ہیں نہ کہ نساء کا لفظ۔ نساء کے معنی اگر کہیں مجازاً کمسن لڑکی کے لیے جائیں تو اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ حقیقی معنی نہ لیے جا سکتے ہوں۔ اب سوال یہ ہے کہ لم یحضن (جنھیں ماہواری نہ آئی ہو) سے کیا مراد ہے۔ اس سے مراد وہ بالغ عورتیں ہیں، جنھیں خون کی کمی یا کسی اور نسوانی مرض کی وجہ سے عرصۂ دراز سے ماہواری نہ آئی ہو اور اسی اثنا میں انھیں طلاق دے دی گئی ہو۔ ایسی عورتوں کی صورت حال جوان ہونے کے باوجود ویسی ہی ہو جاتی ہے جیسی کبرسنی کی وجہ سے آئسہ عورتوں کی ہوتی ہے۔ بالغ دونوں ہوتی ہیں۔ ایک کو بڑھاپے کے تقاضے سے ماہواری نہیں آتی اور دوسری کو اینیمیا (خون کی کمی) یا دیگر نسوانی مرض کی وجہ سے۔ دنیا میں ایسی عورتوں کی کمی نہیں۔ لفظ نساء کے ہوتے ہوئے مفسرین کا یہ لکھ دینا کہ لم یحضن سے مراد صغیرہ یا نابالغہ ہے ہمارے لیے کوئی واجب التسلیم حجت نہیں۔

اس کے علاوہ یہاں انہی عورتوں کی عدتِ طلاق کا ذکر ہے جن سے خلوت ہو چکی ہو۔ (کیونکہ جنھیں چھوا بھی نہ گیا ہو ان کی کوئی عدت ہی نہیں) اور کم سن بچی یا نابالغہ سے خلوت کا تصور اگر گھناؤنا نہیں تو نازیبا یقیناً ہے۔ ایسا تصور ایک خالص اسلامی سوسائٹی اور صحابۂ رسول صلوات اللہ علیہم کو تو بالکل زیب نہیں دیتا۔ سن رسیدہ باکرہ کا تصور تو ہو سکتا ہے لیکن صغیرہ ثیبہ کا ذکر خدا جانے کیوں ہماری فقہ کی کتابوں (کتاب النکاح اور کتاب الطلاق) میں بار بار آتا ہے۔ ایک صغیرہ کو ثیبہ کرنا انتہائی جنسی بے صبری کا غماز ہے۔ قرآن کریم سے ہم یہ توقع تو کر سکتے ہیں کہ اس بے صبری سے روکے لیکن یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ اس کی کھلی چھٹی دے۔ نکاح کا مقصد اگر ہوس رانی نہیں بلکہ حصول اولاد ہے تو صغیرہ سے کون شخص معجزانہ طور پر اولاد دے سکتا ہے۔

قرآن کیا کہتا ہے

ہم یہ بلاوجہ نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ قرآن پاک نے ہمیں محض اشاروں میں نہیں بلکہ کسی قدر وضاحت سے بتایا ہے کہ صغیرہ کا نکاح نہ کیا جائے۔

"..... حتیٰ اذا بلغوا النکاح فان انستم منھم رشدا فادفعوا الیھم اموالھم ....."

"جب (اے اولیائے یتامیٰ) وہ یتامیٰ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں تو بھی جب ان کے اندر رشد دیکھ لو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔"

اس ہدایت میں دو نکتے خاص طور پر قابلِ غور ہیں۔

۱۔ یہاں نکاح کے لیے جو عمر بتائی گئی ہے اس کے لیے بلوغ کا لفظ لایا گیا ہے۔ بلوغ کے لغوی معنی ہیں پہنچنا۔ جوان کو بالغ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ عمر کی اس منزل میں قدم رکھتا ہے جہاں پہنچ کر اس کے اندر نکاح کی طلب شروع ہو جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ اذا بلغوا النکاح فرما کر قرآن نے یہ بتایا ہے کہ نکاح کی عمر بلوغ سے

شروع ہو جاتی ہے نہ کہ اس سے پہلے۔

۲۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ یتیموں کا مال ان کے حوالے کرنے کے لیے صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ وہ بالغ ہو جائیں بلکہ رشد پیدا ہو جانے کی شرط ہے۔ یعنی وہ زندگی کے نشیب و فراز سے واقف ہو جائیں اور مال کو سنبھالنے اور اس کا صحیح مصرف لینے کی صلاحیت پیدا کر لیں۔ اگر ان میں اتنی تمیز و رشد موجود نہ ہو اور یہ خطرہ ہو کہ اپنی بیوقوفی سے مال اڑا کر برباد کر دیں گے تو ان کا مال ان کے حوالے نہیں کرنا چاہیے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

ولا تؤتوا السفھاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاما۔

اپنا مال جسے اللہ نے تمھارے قیام کا ذریعہ بنایا ہے بے وقوفوں کے حوالے نہ کرو۔

اب آپ خود ہی سوچیے کہ جو خدا مال کی حوالگی میں اتنی احتیاط کی تاکید فرماتا ہو، اور بلوغ ہی نہیں بلکہ رشد کی بھی قید لگاتا ہو۔ اس کی نگاہوں میں نکاح ——— زوجین کا اپنی زندگیاں ایک دوسرے کے حوالے کرنا ——— اتنی حقیر اور مال سے بھی کمتر شئے ہے کہ اس کے لیے رشد تو الگ رہا بلوغ کی بھی شرط نہیں؟ یا للعجب! ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ "بلغوا النکاح" فرما کر خدا نے کم سنی کی شادی کا سلسلہ روک دیا ہے۔ خیر القرون میں کم سن لڑکیوں کی شادی اور پھر ان کو ثیبہ کرنے کی مثال نہیں ملتی اور اگر مل جائے تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اس آیت کے نزول سے پہلے کی بات ہے اس کی مزید تفصیلات آگے آتی ہیں۔

دوسرا غلط استدلال

دوسری نص جس سے نابالغہ کی شادی پر استدلال کیا جاسکتا ہے یہ آیت قرآنی ہے

وانکحوا الایامی منکم والصلحین من عبادکم وامائکم ...

اپنے (حر) بے زوجوں اور اپنے قابل شادی زیر دستوں (مرد و زن) کا نکاح کرادو۔

یہاں "نکاح کرادو" کا مفہوم یہ ہے ہی نہیں کہ ان سے پوچھے یا اطلاع دیے بغیر ہی جہاں چاہو نکاح کرادو اور اگر ان کی مرضی نہ ہو تو زبردستی جبراً نکاح کرادو۔ آیت کا مفہوم صرف اسی قدر ہے کہ ان کے بیاہے جانے میں مدد دو اور اس کا سامان بہم پہنچاؤ۔ ایّم (جمع ایامیٰ) کے معنی ہیں بے زوج خواہ مرد ہو یا عورت، کنوارا ہو یا رانڈ، اور عورت باکرہ ہو یا ثیبہ۔ مطلقہ ہو یا بیوہ۔ اس لیے اگر اس آیت سے نابالغہ کے جبری نکاح کی دلیل لائی جا سکتی ہے تو اسی آیت سے بالغ ثیبہ کا جبری نکاح بھی درست ہونا چاہیے۔ حالانکہ ایک متنفس بھی اس کا قائل نہیں۔ پس نہ انکاح کے معنی جبری نکاح کرانے کے ہیں اور نہ ایّم کے معنی صرف نابالغہ باکرہ کے ہیں۔ لہٰذا اس آیت سے نکاحِ نابالغہ اور وہ بھی جبری کا استدلال ہی صحیح نہیں۔

سیّدہ عائشہؓ کی غلط مثال

اب صرف ایک بحث رہ جاتی ہے کہ سنت ـــــ خیر القرون کی اسلامی سوسائٹی ـــــ میں نکاحِ نابالغہ کی کوئی نظیر ملتی ہے یا نہیں۔ ہمیں کتب احادیث میں صرف ایک نظیر ملتی ہے جو اوّلاً تو "اذا بلغوا النکاح" سے پہلے کی ہے۔ اس کے علاوہ اب یہ حقیقت آئینے کی طرح واضح ہو چکی ہے کہ وہ قصہ ہی غلط ہے۔ صحاح ستہ میں حضرت عائشہؓ کا بیان یوں ہے کہ:

تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا بنت ست وبنی بی وانا بنت تسع۔

آنحضورؐ سے میری شادی چھ سال کی عمر میں اور رخصتی نو سال کی عمر میں ہوئی۔

کئی روایتوں میں چھ کی بجائے سات سال ہے۔ آپ کچھ بھی مانیں مگر یہ روایت کئی وجوہ سے محل نظر ہے:

۱۔ سیدہ عائشہ صلوات اللہ علیہا کی شادی شوال سنہ ۱۰ نبوی میں ——— سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا کی وفات کے بعد ہوئی۔ اور رخصتی شوال سنہ ۲ھ میں ہوئی۔ اس نکاح اور رخصتی کے درمیان پورے پانچ سال کا وقفہ ہوتا ہے۔ پس اگر نکاح کے وقت آپ کی عمر چھ یا سات سال تھی تو رخصتی کے وقت عمر گیارہ یا بارہ سال کی ہوگی نہ کہ نو سال کی۔ اور اگر رخصتی نو سال میں ہوئی تو نکاح چار سال کی عمر میں ہونا چاہیے نہ کہ چھ یا سات سال کی عمر میں۔ پس یہ روایت اپنے اندر جو داخلی تضاد رکھتی ہے پہلے اس کا حل تلاش کر لیجیے۔

۲۔ جناب عائشہؓ سے آپؐ کی علاتی بہن حضرت اسماء دس سال بڑی تھیں اور حضرت اسماء ہجرت سے ۲۷ سال پہلے پیدا ہوئی تھیں۔ لہذا ۲ھ میں انتیس برس کی تھیں۔ لہذا حضرت عائشہؓ رخصتی کے وقت انیس سال کی ہوئیں۔

اسماء بنت ابی بکر الصدیقؓ

ولدت سنته ۲۷ قبل الهجرة وهي اكبر من اختها لابيها عائشة ام المومنين بعشر سنين۔

ہجرت سے ستائیس سال پہلے پیدا ہوئی تھیں اور وہ اپنی علاتی بہن ام المومنینؓ سے دس سال بڑی تھیں۔

خیر الدین زرکلی کی الاعلام ج ۱، ص ۲۹۸ میں ہے:

ذات النطاقين (المتوفاة) سنة ۷۳ھ .....

عاشت مائة سنة .....

ذات النطاقین (اسماء بنت ابی بکرؓ) کا سن وفات ۷۳ھ ہے۔ اور وہ

پورے سو سال زندہ رہیں۔

دوسرے لفظوں میں حضرت اسماءؓ کی عمر ۲ھ میں ۲۸/۲۹ سال کی اور حضرت عائشہؓ کی عمر ۱۸/۱۹ سال ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ دوسرے دلائل بھی ہیں جس کا ہم نے مختلف مضامین میں ذکر کیا ہے۔ لیکن ان میں کچھ کلام بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے اسے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ بہرحال سیدہ عائشہ ام المومنینؓ کے متعلق نو سال کی عمر میں رخصتی کا واقعہ محض قیاسی اٹکل نہ ہوتا اور دو اور دو چار کی طرح واضح ہوتا تو اس سے نکاح نابالغہ کے جواز پر استدلال صحیح ہوتا لیکن یہاں تو بالکل دو اور دو چار کی طرح واضح ہے کہ نو کا حساب ہی سرے سے غلط ہے۔ اب ہم اگر مسلسل لکھی بے لکھی غلطی کا تجزیہ کریں تو یہ معلوم ہوگا کہ یا تو راوی سے عشرات (دہائیاں) حذف ہو گئے ہیں یا اختصار کلام کے لیے دہائیوں کے حذف کا دستور ہوگا۔ آج بھی جب ہم ۵۷ء کا جہادِ آزادی بولتے ہیں تو اس سے مراد سن ۱۸۵۷ء ہوتا ہے۔ اور جب ہم کہتے ہیں کہ ۴۷ء میں پاکستان بنا تو اس سے مراد ۱۹۴۷ ہی مراد لیا جاتا ہے۔ اس طرح یہ دراصل تسع عشرۃ سنۃ (۱۹) ہے جسے اختصار کلام کے لیے صرف تسع کہہ دیا گیا ہے۔

غلط مثال کی دشواریاں

اور فرض کیجیے کہ پورے خیر القرون کی تاریخ میں کم سنی کی شادی کی صرف یہی ایک مثال صحیح تسلیم کر بھی لی جائے تو کئی دشواریاں پیش آئیں گی۔ مثلاً

۱۔ نکاح کا اصل فریق ولی نہیں بلکہ عورت ہے اور نکاح ایک ایسا مقدس شرعی معاہدہ ہے جو زن و مرد کے درمیان ازدواجی زندگی بسر کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ یہ معاہدہ اس وقت درست ہو سکتا ہے جب دونوں عاقل و بالغ ہوں، ان میں اتنا "رشد" ہو کہ وہ زندگی کے نشیب و فراز کو سمجھ سکیں اور اپنی پسند سے اپنا شریک زندگی منتخب کر سکیں۔

خود قرآن نے بھی اسے معاہدہ ہی قرار دیا ہے:

واخذن منکم میثاقاً غلیظا

یعنی یہ نکاح صرف میثاق ہی نہیں۔ میثاق غلیظ ہے یعنی گاڑھا معاہدہ۔

ازدواج جیسی اہم ذمے داری کو سنبھالنے کے لیے اولیا بہتر رائے دے سکتے ہیں۔ ہر ممکن اعانت کر سکتے ہیں لیکن رد و قبول کا اختیار مرد کی طرح عورت کا بھی ایک پیدائشی حق ہے جو اسلام کا سب سے بڑا عطیہ ہے۔ اسے سلب کرنے کا کسی کو اختیار نہیں۔ چار چھ سال کی بچی کو ان تمام باتوں کا کیا شعور ہو سکتا ہے جب تک وہ عاقل و بالغ اور صاحبِ رشد نہ ہو جائے۔

نکاح نہیں منگنی

یہ صحیح ہے کہ بعض مخصوص حالات میں ایک مشفق ولی نابالغ اولاد کا رشتہ جوڑنے کی آرزو کرتا ہے۔ بچی مشورہ سمجھنے کے قابل نہیں ہوتی اور ولی کو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ میری زندگی جلدی ہی ختم ہونے والی ہے اور میں اپنی زندگی میں رشتے کا اہتمام کر کے خوش خوش دنیا سے رخصت ہو جاؤں ایسا نہ ہو کہ ایک بہتر رشتہ ہاتھ سے نکل جائے یا اسی قسم کی بعض اور مجبوریاں ہو سکتی ہیں۔ ایسی تمام صورتوں میں ولی کو رشتہ جوڑنے کا حق ملنا چاہیے۔ لیکن یہ وہی چیز ہے جسے عرفِ عام میں "منگنی" کہتے ہیں۔ یہ نکاح نہیں ہوتا صرف ایک خوش آئند وعدۂ نکاح ہوتا ہے۔ اور فرض کیجیے ایسے موقع پر ہم اپنے فقہاء کے کہنے کے مطابق نکاح کو صحیح تسلیم کر بھی لیں تو یہ ایسا نکاح نہیں ہوتا کہ اگر ولی مجبر کرائے تو ساری عمر کے لیے لڑکی کا حقِ فسخ سلب ہو جائے اور اگر غیر مجبر کرائے تو اسے وہ مضحکہ خیز حقِ فسخ حاصل ہو جو سلبِ حق سے بھی بدتر ہے۔ یعنی یا تو وہ پہلا قطرۂ خون دیکھتے ہی اسی آن گواہوں کے سامنے اعلانِ فسخ کر دے اور اس کے بعد بھی تصدیق قاضی کی محتاج رہے یا پھر جھوٹ بولے (جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے)۔ اگر پورے دفترِ سنت کی ایک — اور وہ بھی غلط

——— نظیر سے کم سنی کے نکاح کو صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو اسے اتنا بے بس نہیں ہونا چاہیے کہ اپنی ہزار نفرتوں کے باوجود بالغہ ہو کر بھی اسے فسخ نہ کر سکے۔ آخر کتاب و سنت کی وہ کونسی نص ہے جس کی بنیاد پر ولی کے اتنے لامحدود اختیارات اور عورت کی اس درجے بے بسی و بے اختیاری کی عمارت کھڑی کی گئی ہے؟ نابالغی کے نکاح کے بعد اسے بالغ ہو کر رد و قبول کا کم و بیش وہی حق ملنا چاہیے جو قبل از نکاح ایک بالغہ کو حاصل ہوتا ہے۔ پھر کوئی ایسی نظیر بھی بتلایئے کہ خیر القرون میں کسی نابالغہ کا نکاح اس کے ولی نے کرا دیا ہو اور فیصلہ یہ دیا گیا ہو کہ اب ہمیشہ کے لیے وہ بے اختیار ہو چکی ہے۔ یا اگر ولی غیر مجبر نے نابالغی میں نکاح کرا دیا ہو تو اسے صرف یہ حق ملا ہو کہ پہلا قطرۂ خون دیکھتے ہی اسی آن گواہوں کے سامنے سچ یا جھوٹ بول کر اعلان فسخ کر دے اس کے بعد بھی قاضی سے تصدیق کرائے ورنہ اسی طرح زنجیر میں بے بس قیدی کی طرح جکڑی رہے۔ یہی بے بنیاد فقہی مسئلہ ہے جس کی کورانہ تقلید نہ کرنے والا خارج از حنفیت یا خارج از دین ہو جاتا ہے۔

دوسری دشواری

دوسری خرابی جو سیدہ عائشہؓ کی نو سال کی عمر میں رخصتی کی روایت صحیح ماننے سے پیدا ہوتی ہے یہ ہے کہ دنیا کی مقدس ترین ہستی کے متعلق ہم یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ وہ اپنی پہلی شادی تو اس سے کرے جو اس سے پندرہ سال بڑی اور چالیس سال کی ادھیڑ ہے دوسری اس کی ہم عمر پچاس سال کی بڑھیا ہے لیکن تیسری ایسی جو نکاح کے وقت صرف چار یا چھ سال کی ہے اور بوقت رخصتی صرف نو سال کی نابالغہ۔ ہم تو یہ سوچنے کی بھی جرأت نہیں کر سکتے۔

ایک استثنائی واقعہ

یہ روایت دو اور دو پانچ کی طرح غلط ثابت ہونے کے باوجود اگر صحیح بھی مان لی جائے تو یہ ایک ایسی واحد اور استثنائی مثال ہے جو دوسرے مخصوص مستثنیات کی طرح

ہمارے لیے ناواجب العمل اور خصائص میں داخل ہے۔ اس کی ایک مثال سنیے:

"عن عائشة قالت جاءت سهلة بنت سهيل الى النبي صلى الله عليه وسلم فقالت يارسول الله انى ارى فى وجه ابى حذيفة الكراهية من دخول سالم علىّ. فقال النبى صلى الله عليه وسلم ارضعيه. قالت كيف ارضعه وهو رجل كبير. فتبسم رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال قد علمت انه رجل كبير. ففعلت فاتت النبي صلى الله عليه وسلم فقالت ما رايت فى وجه ابن حذيفة شيئا اكرهه (سنن ابن ماجه فى باب رضاع الكبير وابو داؤد كتاب النكاح ومسلم باب الرضاع والنسائى كتاب النكاح)۔

"سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سہلہ بنت سہیل نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ سالم (میرا متبنّٰی) میرے پاس آتا ہے تو میں (اپنے شوہر) ابوحذیفہ کے چہرے پر ناگواری محسوس کرتی ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ اسے (متبنّٰی کو) اپنا دودھ پلا دو۔ بولی وہ تو خاصہ بڑا ہے اسے میں دودھ کیسے پلاؤں۔ حضورؐ مسکرائے اور فرمایا کہ مجھے علم ہے کہ وہ بڑا ہے۔ غرض سہلہ نے اسے دودھ پلا دیا اس کے بعد حضورؐ کے پاس آکر کہا۔ اب ابوحذیفہ کے چہرے پر ناگواری کا کوئی اثر نہیں دیکھتی۔"

فرمایئے۔ حدیث میں ایک مثال یہ بھی موجود ہے کہ رضاعت کی حد سے گزرے ہوئے نوجوان کو دودھ پلا کر رضاعی فرزند بنالیا گیا۔ کیا آج آپ بھی اس استثنائی واقعے کو سند بنا کر جس بڑے آدمی کو چاہیں رضاعی بیٹا بنالیں گے؟

اختیار کا زمانی امتداد

یہاں ایک قابلِ غور نکتے پر بھی ذرا توجہ دیجیے۔ لاہور سے ایک شخص بالغہ لڑکی سے

اذن لے کر کر اچھی جاتا ہے۔ دوسرے دن پہنچتا ہے اور تیسرے دن اس کا نکاح پڑھا دیتا ہے۔ وہ نکاح صحیح ہو گا یا نہیں۔ ضرور صحیح ہو گا۔ لیکن نکاح سے ایک منٹ پہلے لڑکی (خود پہنچ کر یا کسی ایلچی کے ہاتھ خط بھیج کر) کہلوا دیتی ہے کہ مجھے یہ نکاح بالکل منظور نہیں۔ کیا حنفی فقہ کی رو سے دنیا کی کوئی طاقت جبراً اس کا نکاح کرا سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ اذن دے چکنے کے بعد فسخ اذن کا حق کتنا ممتد ہو گیا۔ یہ دو دن کی مثال ہے۔ اگر دو ماہ اور دو سال کا فاصلہ بھی (اذن و نکاح کے درمیان) حائل ہو تو بھی بالغہ کا حق فسخ باقی رہے گا۔ یہ صحیح ہے کہ یہ فسخ نکاح نہیں کیونکہ نکاح تو ہوا ہی نہیں، لیکن اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ یہ فسخ اذن اس وقت تک ممتد رہے گا جب تک اس کا نکاح نہیں ہو جاتا۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ یہی حق اس بالغہ کو کیوں نہیں مل سکتا جس کا نکاح محلِ اذن (بالغ) ہونے سے پہلے ہی کرا دیا گیا ہے۔ بلوغ سے پہلے وہ اذن کا محل ہی نہیں تھی، اس لیے بلا اذن اس کا نکاح ولی نے کرا دیا، مگر یہ ولی اس لڑکی کا وہ حق کیسے سلب کر سکتا ہے جو دراصل محلِ اذن ہونے کی صورت میں اسے حاصل رہتا ہے۔ اور اگر ولی غیر مجبر کی صورت میں اسے پہلا قطرۂ خون دیکھتے ہی ایک سیکنڈ کے لیے حق فسخ رہتا ہے تو یہ ایک سیکنڈ کا وقفہ اس وقت تک ممتد کیوں نہیں ہو سکتا کہ وہ مذکورہ مثال کی طرح سوچ سمجھ کر قولاً یا عملاً فیصلہ کرنے کے قابل ہو جائے۔ اس "ایک سیکنڈ" کے لیے کون سی نص ہے۔ یہ زیادہ سے زیادہ ایک مجتہد اعظم کی اجتہادی و قیاسی رائے ہو سکتی ہے اور اس کی رائے اسی وقت تسلیم ہو سکتی ہے جب نقل و عقل سے اس کی تائید ہوتی ہو یا کم از کم تردید نہ ہوتی ہو۔ یہ تمام ادوار کے فقہاء کا حق ہے کہ وہ اپنے معاشرے، اپنے عصری تقاضوں اور اپنے احوال و ظروف کے مطابق ایک مناسب میعادِ رشد مقرر کر دیں تاکہ صغیرہ کو بلوغ کے بعد اپنا نکاح باقی رکھنے یا فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہو۔ اس میں باکرہ و ثیبہ نیز ولی مجبر و غیر مجبر کا مناسب فرق بھی رکھ لیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ اور یہ تعین میعاد بھی صرف اس شکل میں ہے کہ کسی

مجبوری سے نابالغہ کا نکاح کر دیا گیا ہو، ورنہ اصل قانون تو یہی ہونا چاہیے کہ نابالغ کے نکاح کا سلسلہ ہی روک دیا جائے کیونکہ اس کی کوئی تائید کتاب و سنت میں نہیں ملتی۔ بہرحال متوارث فقہ کی رعایت کرتے ہوئے پاکستان میں ایسا قانون ہونا چاہیے کہ چند ایسی مجبوریوں کا قانون میں ذکر کر دیا جائے جن کے ہوتے ہوئے کسی ذمہ دار حاکم کی اجازت سے نابالغہ کا نکاح ہو اور بلوغ کے بعد رشد آنے تک قانونی طور پر اس کی رضا یا عدم رضا معلوم کر لی جائے۔ یہ عجیب تماشا ہے کہ ایک طرف مجلس قانون ساز کی رکنیت اور صدر مملکت کے انتخاب کے لیے یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ بالغوں کی آزاد رائے لی جائے لیکن دوسری طرف "انتخاب شوہر" میں یہ جبر کہ نابالغہ بالغ ہو کر بھی کوئی رائے ظاہر کرنے کی مجاز نہیں۔ اور صرف غیر مجبر ولی کے کرائے ہوئے نکاح کے متعلق بلوغ کے بعد ایک سیکنڈ کے اندر فیصلہ دینے کی اجازت ہے وہ بھی دو گواہوں کے سامنے سچ یا جھوٹ بول کر اور وہ بھی تصدیق قاضی کے بعد۔

کیا ایسی مساوات ہے

یہ ہے اسلام کی عطا کردہ وہ حریت و مساواتِ مرد و زن جس کا ہر سٹیج پر وعظ کہا جاتا ہے۔ ہماری فقہی مساوات بین الزوجین یہ ہے کہ شوہر تین سیکنڈ میں دفعۃً تین طلاقیں[1] دے کر گھر سے ہمیشہ کے لیے باہر نکال سکتا ہے۔ اور بیوی اگر جدا ہونا چاہے تو پہلے تو وہ یہ ثابت کرے کہ پہلا قطرۂ سخون دیکھتے ہی فلاں فلاں گواہوں کے سامنے نکاح فسخ کر دیا

---

[1] عہد نبوت اور دور صدیقی اور دو سال خلافت فاروقی میں بیک وقت تین طلاقیں رجعی تھیں۔ سیدنا عمرؓ نے ایک آرڈی ننس کے ذریعے اسے مغلظہ قرار دیا۔ آرڈی ننس وقتی ہوتا ہے لیکن ہماری چاروں فقہ نے اسے ازلی ابدی بنا دیا۔ اس پر مفصل بحث میری کتاب "اجتہادی مسائل" میں ملاحظہ فرمایئے۔

تھا۔ ورنہ جھوٹ بول دے کہ میں نے ابھی علامتِ بلوغ دیکھی ہے۔ اور دروغ گوئی کی ہمت نہ ہو تو وہ عدالت کے چکر میں پڑے۔ اس کے بعد ثابت کرے کہ شوہر ایک سال سے عنین (نامرد) ہے اور علاج کے باوجود ایک بار بھی اس اثنا میں وظیفہ جنسی نہ ادا کر سکا۔ یا یہ ثابت کرے کہ وہ بہت مارتا پیٹتا ہے، ظلم کرتا ہے، نان نفقہ نہیں دیتا۔ وغیرہ وغیرہ۔ پھر اپنا مہر واپس کرے۔ پھر چھٹکارا مل سکتا ہے۔ یہ ہے ہماری فقہی مساواتِ مرد و زن۔ "ھن لباس لکم وانتم لباس لھن" اور "ولھن مثل الذی علیھن" میں جو مساوات کی نعمت عطا کی گئی ہے اس کا یہ کتنا لاجواب مظاہرہ ہے۔ شوہر جدا ہونا چاہے تو تین سیکنڈ کافی ہیں۔ اور عورت کو عدالتی پیروی میں تین سال بھی لگ جائیں تو بھی مساوات میں کوئی فرق نہیں آتا۔ حالانکہ حدیث نبوی کی یہ نص موجود ہے کہ مرد کے برتاؤ اور دین و اخلاق وغیرہ میں کوئی نقص نہیں جب بھی عورت صرف ناپسندیدگی کو جدا ہونے کی بنیاد بنا سکتی ہے اور عدالت مہر واپس دلا کر طلاق دلوا دے گی۔ یا تفریق کرا دے گی۔

جنون کا نام خرد رکھ دیا

پابندیاں طلاق پر عائد کی گئی ہیں۔ طلاق احسن کا پسندیدہ ہونا۔ بعث حکمین اور کوشش صلح۔ ایک گھر میں سکونت۔ نان و نفقہ کی ادائیگی۔ حاملہ ہو تو فراغت تک کے اخراجات۔ ولادت ہو تو سات سال تک حقِ حضانت دینا جس میں دودھ پلانے کی اجرت بھی شامل ہے۔ کتاب و سنت میں یہ تمام باتیں فوری جدائی میں رکاوٹیں پیدا کرنے کے لیے ہیں لیکن ان سب کو ترک کر کے ہم تین سیکنڈ میں اپنا کام نکال لیتے ہیں۔ اور عورت جدا ہونا چاہے تو اسے مہینوں کے چکر میں پھنسا دیتے ہیں۔ اس کے باوجود ہمارا دعوائے مساوات قائم رہتا ہے۔

خلاصہ کلام

اوپر کی پوری بحث کا خلاصہ چند لفظوں میں یوں ہے کہ:

۱۔ ولی مجبر کی فقہی اصطلاح کتاب وسنت میں نہیں۔

۲۔ نابالغہ کو بیاہنے کا کوئی حکم کتاب وسنت میں ہے نہ خیر القرون کی تاریخ میں۔ اس لیے اسے قانوناً روک دینا چاہیے۔

۳۔ ام المومنین سیدہ عائشہؓ کا نابالغی میں نکاح ورخصتی کا واقعہ محل نظر ہے۔

۴۔ تاہم بعض مجبوریوں میں نابالغی کے نکاح کی اجازت دینے میں حرج نہیں۔

۵۔ لیکن اسے بالغ ہونے کے بعد ایک مقررہ میعاد تک فسخ کا حق دینا چاہیے۔ اس سے اسلام میں کوئی فرق نہیں آتا۔

۶۔ ہماری فقہ میں مرد تو چند سیکنڈ میں طلاق دے کر چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے لیکن عورت چھٹکارا حاصل کرنا چاہے تو قاضی کی محتاج رہتی ہے۔ نکاح، طلاق، خلع اور تمام متعلقہ عائلی معاملات دراصل قضا ہی سے متعلق ہیں اس لیے عورتوں کی طرح مردوں کو بھی ان معاملات میں عدالت ہی کے فیصلوں کا پابند ہونا چاہیے

(باقی آئندہ)